صدیق سالک کا اسلوب ’’ہمہ یاراں دوزخ‘‘ کے تناظر میں

ذکیہ خورشید

Zakia Khurshid

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, lahore.

Abstract:

Siddique Salik is an eminent member in the group of military writers.He has more than one references of fame in the world of Urdu Literature. He is one of the main humourists and well read novelists of modern times. He is also an important personality of journalismHe has served in the department of Education, Ministry of Information and broadcasting and Pakistan Army.

"HAMA YARAN DOZAKH"is his first literary creation .It is a biography of a war prisoner. This tragic and catastrophic story has a pleasent, fluent and apealing style.The point of order is that the reader gets involved in the story to the extent that he/ she reads with tears in the eyes, pain in the heart agony of the soul.The writer has achieved a status in Urdu literature with his first book ,that most writers have failed to achieve till date.

صدیق سالک عسکری قلم کاروں کے گروہ کے اہم رکن ہیں۔ وہ ادب کی دُنیا میں کئی حوالوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا شمار اُردو ادب کے بہترین مزاح نگاروں اور کامیاب ناول نویسوں میں ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ میدانِ صحافت کے بھی شہسوار ہیں۔انہوں نے محکمہ تعلیم، وزارتِ اطلات ونشریات اور پاکستان کی برّی فوج میں اپنی خدمات انجام دیں۔ ۱۷ستمبر ۱۹۶۴ءکو بحثیت کپتان پاک فوج کے شعبہ تعلقاتِ عامہ میں پبلک ریلیشنز آفیسر مقرر ہوئے۔

برّی فوج میں آپ نے ٹینکوں، توپوں اور گولوں کے جواب میں قلم کے تیر چلائے۔ جنوری ۱۹۷۰ءکو میجر کے عہدے پر ترقی پا کر مشرقی پاکستان تعینات ہوئے۔ ۱۹۷۱ءکی پاک بھارت جنگ میں آپ وہیں مقیم تھے۔آپ نے ان حالات و واقعات کو بچشمِ خود دیکھا۔ جنگ کے اختتام پر نوّے ہزار اہلِ وطن کے ساتھ جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ دو برس تک بھارت کی قید میں رہے۔اسیری کے اس طویل عرصہ میں اُن کے اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا گیا، جن آلام ومصائب سے دو چار ہوئے انہی حالات وواقعات، تجربات ومشاہدات اور محسوسات کو ضبط تحریر میں لاتے رہے، وطن واپسی پر انھیں ’’ہمہ یاراں

دوزخ'' کی صورت شائع کرادیا۔اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی آپ ادب کی دُنیا میں سرگرم ہو گئے، آپ کی یہ پہلی تصنیف ۱۹۷۴ء میں مکتبہ اُردو ڈائجسٹ لاہور کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اسی مقبولیت کے باعث دس برس بعد ۱۹۸۴ء میں اس کا انگریزی ترجمہ The Wounded Pride کے نام سے بھی شائع ہوا۔

آپ کی دیگر اُردو تصانیف کے نام ذیل میں درج ہیں۔

میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا ۔۔۔۔۱۹۷۹ء

تادمِ تحریر۔۔۔۔۱۹۸۱ء

پریشر ککر (ناول)۔۔۔۔۱۹۸۳ء

ایمرجنسی (ناول)۔۔۔۔۱۹۸۵ء

سلیوٹ۔۔۔۔۱۹۸۹ء (آپ کے انتقال کے بعد شائع ہوئی)

صدیق سالک کس پائے کے لکھاری ہیں، ان اصحاب کی آرا سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

معروف نقاد اور محقق ڈاکٹر جمیل جالبی نے آپ کے انتقال پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> ''مرحوم صدیق سالک ایک اچھے انسان اور ایک اچھے ادیب تھے۔ اُن کے قلم میں شگفتگی اور روانی ایسی تھی کہ بہت کم تحریروں میں نظر آتی ہے۔''(۱)

پروفیسر پریشان خٹک کہتے ہیں:

> ''صدیق سالک مرحوم کی وفات سے ہمارا ادب ایک خوش طرز ادیب سے اور ہماری قومی زندگی ایک ٹھیٹھ پاکستانی دانشور سے محروم ہوگئی۔''(۲)

الطاف حسین قریشی ایڈیٹر اُردو ڈائجسٹ آپ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''سالک شہید کو اپنا وطن سب سے زیادہ عزیز تھا۔ پاکستان کے نظریئے پر، پاکستان کی سلامتی پر، پاکستان کی تہذیبی خوشبو پر وہ کسی سمجھوتے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔''(۳)

''ہمہ یاراں دوزخ'' صدیق سالک کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔اس کی اشاعت سے عسکری وسوانحی ادب کی دُنیا میں ایک روشن باب کا در وا ہوا۔یہ ادب کے قارئین میں بے حد مقبول ہوئی، ادبا اور ناقدین نے بھی اسے خوب سراہا۔مصنف کو اس پہلی کتاب سے ہی ادبی دُنیا میں جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ بہتوں کو عمر بھر نصیب نہیں ہوتی۔آپ کا شمار صاحبِ طرز ادیبوں میں ہونے لگا۔

سید ضمیر جعفری آپ کے انتقال پر ''ہمہ یاراں دوزخ'' کے حوالے سے دادِ تحسین دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''صدیق سالک اُردو کا سب سے بڑا غمزدہ مزاح نگار تھا۔یہ اسی کا دل گردہ تھا کہ وہ سقوطِ ڈھاکہ کی حکایتِ شب کو ہلکے پھلکے انداز میں بیان کر گیا۔میں کہہ نہیں سکتا کہ اُردو ادب مزاح نگاری کے اتنے گہرے سمندر سے پھر کبھی آشنا ہو سکے گا۔''(۴)

''ہمہ یاراں دوزخ'' ایک جنگی قیدی کی رُودادِ قفس ہے یعنی ان حالات و واقعات کی کہانی، جو سقوطِ ڈھاکہ کے بعد گوشۂ قفس میں اسیرانِ رزم پر گذری۔ اس میں ازلی دُشمن بھارت کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوتا ہے۔ ۲۸۹ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا انتساب ''ماںتا کی خوشبو کے نام'' ہے۔ کتاب ھذا کو بیس عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابواب کی فہرست سے قبل باقی صدیقی کا یہ شعر درج ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مصنف صرف کچھ ہی واقعات قلم بند کر سکا بہت کچھ ایسا بھی تھا جو ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔

ہر ایک بات زبان پر نہ آ سکی باقیؔ
کہیں کہیں سے سُنائے ہیں ہم نے افسانے(۵)

یہ کتاب مصنف کے ذاتی مشاہدات، تجربات اور محسوسات پر مبنی ہے۔ اس میں سیاسی یا فوجی نقطہ نظر سے کسی قسم کا تجزیہ نہیں، پیش لفظ میں ہی مصنف پیشہ وارانہ صلاحیتوں کا حامل ایک بہادر جری فوجی نظر آتا ہے، اسے بچ نکلنے کا موقع بھی ملا لیکن اس سے فائدہ نہ اُٹھایا کہ ساتھیوں کو مشکل میں چھوڑ کر بھاگ نکلنا بہادری نہیں، اس بھی زیادہ ہمت کی بات کہ جوں جوں اسیری طویل ہوتی گئی گھبرانے کی بجائے قید و بند کی صعوبتوں، مکار دُشمن کی نت نئی ستم ظریفیوں سے قوت و طاقت حاصل کرتے رہے۔ انہیں سرمایۂ حیات قرار دے کر ''قیمتی موتی'' اور ''انمول گوہر'' کے ناموں سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میں نے انہی موتیوں اور گوہروں کو اس کتاب میں پرونے کی کوشش کی ہے۔''(۶)

''ہمہ یاراں دوزخ'' ایک جنگی قیدی کے کربناک روز و شب کی سرگذشت ہی نہیں بلکہ اپنوں کی بے مروّتی، طوطا چشمی اور عیار دُشمن کی کم ظرفی اور گھٹیا سازشوں کی دل خراش داستان بھی ہے۔ سید ضمیر جعفری اس کتاب کی ہمہ پہلو خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمہ یاراں دوزخ'' مزاح کی کتاب نہیں مگر ظرافت اسے سر آنکھوں پر بٹھائے گی۔۔۔۔
یہ ادب کی کتاب نہیں مگر اُردو ادب اس کو سینے سے لگائے گا۔۔۔۔ یہ تاریخ کی کتاب نہیں
مگر تاریخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکے گی۔''(۷)

عطاالحق قاسمی نے اس کتاب کی اہمیت ان الفاظ میں واضح کی ہے:

''یہ کتاب اپنی بیشمار صفات کے باعث اس عہد کی ایک بڑی کتاب ہے۔''(۸)

''ہمہ یاراں دوزخ'' کا موضوع بھی اہم ہے اور اسلوب بھی بہت سی خصوصیات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کا موضوع کربناک ہے اور اسلوب شگفتہ۔ وہ فطری طور پر ایک مزاح نگار ہیں۔ مشکل حالات میں بھی ان کا قلم ظرافت اور شگفتگی کے موتی اُگلتا ہے۔ یہی اس کتاب کی اہم خوبی اور اس کی پسندیدگی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

جنگ سے پہلے کے حالات میں درپیش مختلف واقعات کے بیان میں ادبیت کا انداز ایک الگ ہی لطف دیتا ہے لفظوں کی رعایت سے جملے تراشتے ہیں اور تحریر کو حسین تر بناتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً:

''جب کبھی رانی کی فلم ڈھاکہ آتی وہ اپنی رفیقہ حیات کی رفاقت کو چھوڑ کر فوراً رانی کی رنگ رلیوں میں شریک ہو جاتے۔''(۹)

جنگ کی ہولنا کیوں سے موضوع تو بدل گیا لیکن تحریر کی دل آویزی قائم رہی۔سقوطِ ڈھاکہ کی دل خراش خبر سن کر ڈھاکہ چھاؤنی میں جذبہ جہاد سے سرشار چہروں پر چھائی یاس والم کی گھٹاؤں کا نقشہ کھینچتے ہیں۔اس کی ایسی تاویل پیش کرتے ہیں کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔لکھتے ہیں؛

''یہ ماتم یہ آہ وفغاں اور گریہ زاری سپاہیانہ شان کے شایان نہ سہی جواں مرگ پر کس کا کلیجہ مُنہ کو نہیں آتا، آج چوبیس سالہ پاکستان کا عین عالمِ شباب میں آدھا دھڑ کاٹ کر الگ پھینک دیا گیا تھا۔''(۱۰)

درج بالا الفاظ بہادر اور شیر دل جوانوں کے دکھی دلوں کا نوحہ ہے، جو سینے پر گولے کھا کر جان دینے کو سہل سمجھتے تھے لیکن دشمن کی قید کی ذلت کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔

اس کتاب کا موضوع انتہائی المناک ہے۔اس میں درج واقعات اور مصنف کے تجربات ومشاہدات کربناک ہیں لیکن صدیق سالک کا کمال ہے کہ انھوں نے ان دل دوز واقعات، حالات ومحسوسات کی ترجمانی شگفتہ پیرائے شُستہ اسلوب اور مزاحیہ انداز میں کی ہے۔یہ خونچکاں داستان پڑھتے ہوئے جہاں درد کی ٹیسیں اُٹھتی ہیں وہاں لطف بھی آتا ہے۔قاری کے لبوں پر مسکراہٹ بھی پھیل جاتی ہے۔وہ قاری کو رنجیدہ نہیں ہونے دیتے جونہی قاری کسی درد بھرے سنجیدہ واقعہ سے رنجیدہ ودل گرفتہ ہونے لگتا ہے، اذیت سے اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی ہے تو مصنف آہستہ سے گدگدی کر جاتے ہیں اور ساری فضا یکدم بدل جاتی ہے بلاشبہ آپ نے مجسم درد کو شگفتہ اسلوب کا پیراہن عطا کیا ہے۔محترمہ نصرت منیر کے مطابق:

''سالک صاحب کے بیان کی کمال خوبی یہ ہے کہ وہ دوزخ کے لپکتے شعلوں میں الفاظ کا گل وگلزار کھلا کر آنسوؤں کو بھی پھول بنا دیتے ہیں۔''(۱۱)

اُن کا یہ انداز واقعات کے کرب کو متوازن بنا دیتا ہے اور یوں یہ خوش دلی، جواں ہمتی، بلند حوصلگی اور شگفتگی قاری کو سنبھالا دیتی ہے۔گرتوں کو تھامنے میں انھیں خاص ملکہ حاصل ہے مگر لُطف کی بات یہ ہے کہ تھام کر نہ تو رونے دیتے ہیں اور نہ کھل کر ہنسنے گو یا دل کو مٹھی میں بند کر لیتے ہیں۔

صدیق سالک اگر اسی المیے کو المیائی اسلوب میں لکھتے تو یہ تاثیر نہ ہوتی بلکہ اس دکھی داستان کو پڑھنا قارئین کے لیے مشکل ہو جاتا یہ ان کے اسلوب کا اعجاز ہے۔ان دردناک واقعات کو قاری حوصلے سے پڑھتا ہے۔جہاں جہاں کیفیات زیادہ کربناک ہوتی ہیں وہاں وہاں ان کی رگ ظرافت زیادہ پھڑکتی ہے اور تحریر کو چار چاند لگا دیتی ہے۔

''قید تنہائی میں سیل سے رفع حاجت کے لیے باہر نکلنے پر لائف بوائے کا کاغذی پیرہن اور رم (شراب) کی بوتل کا لیبل ملا تو اسے بار بار پڑھ لیا اور شدید خواہش کے باوجود لائف بوائے والا کاغذ اگلے دن کے لیے رکھ لیا کہ ''اسلام اسراف کی اجازت نہیں دیتا۔''(۱۲)

صدیق سالک اپنی تحریر کی اثر آفرینی سے قاری کو بھی زندان خانے میں لے جاتے ہیں پڑھتے ہوئے قاری پر بھی وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو مصنف پر وقتِ تحریر طاری تھی۔دل آنسوؤں، آہوں اور سسکیوں سے لبریز ہو جاتا ہے۔آنکھوں میں آنسو تو تیرتے ہیں لیکن ان کا بذلہ سنج اسلوب انھیں اُمنڈنے نہیں دیتا۔کھانے کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''سلاخوں میں سے مٹھی بھر اُبلے ہوئے چاول میری پلیٹ میں ڈال دیے اور ان کی سفیدی کو سیاہی مائل کرنے کے لیے کوئی چمچہ بھر سیال مادہ ان پر چھڑک دیا۔۔۔۔ ہاتھوں سے ٹٹولا تو ہاف بوائل چاولوں کی انا موجود پائی۔۔۔۔ میں نے ایک لقمہ سیاہ مادے سے چھو کر منہ کی طرف اُٹھایا تو منہ سے پہلے ناک نے اسے رد کر دیا۔'' (۱۳)

ایک کامیاب مزاح نگار کی طرح صدیق سالک بھی کٹھن، تلخ اور دشوار گزار لمحات میں شیرینی اور مٹھاس بھر دیتے ہیں اور زندہ رہنے کے رنگ ڈھنگ بتلاتے ہیں۔ سرکاری حجام نے جب کیمپ میں آنا بند کر دیا تو افسروں نے سر منڈانے شروع کر دیئے۔

''اس ذوق وشوق کی زد میں پہلے اوسط درجے کی کھتیاں آئیں۔ پھر رفتہ رفتہ وہ فصلیں بھی متاثر ہوئیں جن کی آبیاری گذشتہ ڈیڑھ دو سال سے کی جا رہی تھی۔ اب جدھر نگاہیں اٹھتیں کسی نہ کسی ٹنڈ سے جا ٹکراتیں۔ نظر ایک تیل آلود ٹنڈ سے پھسلتی تو دوسری پہ جا پڑتی۔۔۔۔ یوں گھر سے ایک بار نکلی ہوئی نظر مشکل ہی سے واپس آ سکتی۔'' (۱۴)

صدیق سالک کے طنز کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نفرت، غصہ، جھلاہٹ، تلخی اور طعن وتعریض نہیں ہوتی بلکہ اس کے پیچھے ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ وہ طنز کو بھی مزاح کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں۔ اپنے مزاح کو بیان کی شوخی سے چمکاتے ہیں۔ وہ ایک شگفتہ مزاج آدمی ہیں۔ مزاج کے اسی شگفتہ پن کے باعث ان کی کتاب کا اسلوب بھی شگفتہ ہے۔ وہ مزاح میں فکر کی چنگاری کے قائل ہیں چنانچہ اپنے ایک انٹرویو میں لکھتے ہیں۔

''میرے نزدیک آئیڈیل مزاح یہ ہے کہ جو قاری کو مسکراہٹ بھی دے اور اُس میں فکر کی چنگاری بھی موجود ہو۔'' (۱۵)

سید ضمیر جعفری اس کتاب سے متعلق کہتے ہیں:

''وہ اتنی سنگین حکایتِ شب کو ایسے شگفتہ لہجے میں لکھ گیا کہ جیسے دوزخ کا سفر بہشت کے گائیڈ کی معرفت طے ہو رہا ہو۔'' (۱۶)

کسی منجھے ہوئے مصنف والا اسلوب آپ کو ایک اعلیٰ درجہ کا ادیب ثابت کرتا ہے۔ حوالدار میجر تارا سنگھ کے حلیہ کا بیان سراپا نگاری کی عمدہ مثال ہے۔

''لمبے قد، پتلی ٹانگوں اور موٹے پیٹ کی وجہ سے اکثر چلتے وقت اس میں کسی اناڑی شاعر کے بے وزن مصرعے کی طرح جھول پڑتی تھی۔'' (۱۷)

جنرل اروڑا کا سراپا یوں بیان کیا ہے:

''اروڑا خالص سکھ نسل کا عمدہ نمونہ تھا۔ اس کی ڈاڑھی اور مونچھوں کے جنگل کے اُس پار پگڑی کا ایک چبوترہ تھا، جس کے گرد جرنیلی کی لال پٹی لگی ہوئی تھی۔ اگر کندھوں سے نیچے دیکھا جائے تو بالکل انسانی پیکر نظر آتا تھا۔'' (۱۸)

مصنف نے مزاح کے ساتھ ساتھ تحریر کی ادبیت اور جمال کو بھی برقرار رکھا۔ان کی تحریروں میں رمزوایمائیت،طنزو مزاح،شوخی،تیکھاپن اور کنائے کے ساتھ ساتھ خوبصورت تشبیہات اور استعارات کا استعمال بھی بہت خوب کیا ہے۔

''صابن تھا کہ خیالِ یار کی طرح پھسل پھسل جاتا اور میل تھا کہ رقیبِ روسیاہ کی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تھا۔''(۱۹)

کتاب کی تحریر میں جابجا استعارے کے استعمال سے بھی حُسن پیدا ہوا ہے:

''اسیری کے دوران کچھ لوگوں کے سر پر برف اُگ آئی تھی انھوں نے خضاب سے اسے پگھلانا شروع کر دیا اور ہر دوسرے روز ایک بوڑھا جوان نظر آنے لگا۔''(۲۰)

مصنف نے اپنی تحریر کو دلکش بنانے کے لیے جابجا اشعار کا سہارا بھی لیا ہے جو کہ بہت حسین اور فطری محسوس ہوتا ہے۔اس سے تحریر کا لطف دوبالا ہو گیا ہے۔یہ اشعار موقع و محل سے خوب مناسبت رکھتے ہیں۔کبھی زور زبردستی کرتے نظر نہیں آتے۔اشعار کے برمحل استعمال سے تحریر نے شاعرانہ رنگ اختیار کر لیا ہے۔

سفر کے دوران کیپٹن شجاعت نے چلتی ٹرین سے چھلانگ لگا کر فرار کی کوشش کی تو مصنف نے برجستہ شعر لکھا:

پر شکستہ طیور بھی مالی
کریں گے دل کے زور پر پرواز(۲۱)

بھارتی سنسر شپ کے محکمہ اور اپنے گھر والوں کو پہنچنے والی تکلیف کے اندیشہ کے پیش نظر وطن میں ارسال کیے جانے والے خطوط میں دل کی بات نہیں لکھ سکتے تھے۔اس کا اظہار اس شعر سے کرتے ہیں۔

اس رنج بے کسی کی یارب خبر نہ پہنچے
جائے نہ شامِ غربت سر پیٹتی وطن میں(۲۲)

اشعار کے استعمال کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ کسی شعر یا مصرے کو جملے میں سمو دیتے ہیں جن سے نثر کا حسن دوچند ہو جاتا ہے۔مثلاً:

''انہی دنوں خبر آئی کہ ۱۸ اگست ۱۹۷۳ء کو بھارت اور پاکستان کے درمیان نمائندوں کی ملاقات ہو گی۔اس خبر سے ہر رنگ میں جلنے والی شمع کو یوں محسوس ہوا کہ سحر ہونے کو ہے۔''(۲۳)

صدیق سالک کی تحریر کی نمایاں خوبی اس کا ترنم اور موسیقیت اور روانی ہے۔وہ الفاظ کے زیرو بم سے اور بعض اوقات ہم قافیہ الفاظ کے استعمال سے اپنی تحریر کے حُسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ہتھیار ڈالنے کے بعد کے محسوسات یوں بیان کرتے ہیں:

''گردوپیش میں بہت کچھ دیدنی تھا۔خونِ مسلم کی ارزانی،اسیروں کا سوزِ نہانی،پناہ گزینوں کی خانہ ویرانی اور فاتحین کی شادمانی۔''(۲۴)

اس کتاب کی نثر پڑھتے ہوئے قارئین کو شاعری کا لطف آتا ہے۔مشرقی پاکستان کے موسم اور مناظر کا بیان یوں

کرتے ہیں:

''وہاں سرمئی شام کولان میں بیٹھتا تو ہولے ہولے چلنے والی بادنسیم ایک ہمدردجلیس کی طرح سرگوشیاں کرتی۔سیر کے لیے مضافات کا رُخ کرتا تو پھلوں سے لدی شاخیں جُھک کرسلام کرتیں۔کہیں بیٹھنے کو جی چاہتا تو زمین سبز قالین بچھا دیتی اور اگر گرمیوں میں سائے کی ضرورت ہوتی تو درخت چھتری تان دیتے۔''(۲۵)

المختصر سالک کی تحریر میں روانی اور شگفتگی ہے۔اُن کی انشاپردازی کا حُسن یہ ہے کہ تحریر محض لفاظی نہیں بلکہ احساسات، تاثرات اوراثر آفرینی سے بھرپور ہے۔یوں لگتا ہے کہ نثر کے یہ جملے اُن پر اشعار کی طرح وارد ہوتے ہیں گویا انھیں آمد ہوتی ہے۔ان کے جملوں میں کسی قسم کی ڈھیل نہیں، تحریر میں بوریت نہیں بلکہ نہایت متناسب اور چست جملے قاری کے ذوق مطالعہ کی تسکین کا باعث بنتے ہیں۔

نکتہ آفرینی اور بذلہ سنجی کے باعث تحریر منفرد اور دلنشین ہے۔دلکش تشبیہات و استعارات منتخب اشعار اور مزاح کی مٹھاس کتاب کی دل آویزی میں اضافہ کرتی ہے۔خالص نکھرے نکھرے اور معیاری مزاح کی پُھل جھڑیوں سے بھرپور تحریر زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا ثبوت ہے۔

آپ کی کتاب کا ہر لفظ موزوں ومتناسب، ہر جملہ جاندار، ایک فقرے کے بعد دوسرا فقرہ یوں آتا ہے جیسے بارش کے صاف وشفاف گول سڈول قطرے یک بعد دیگرے آسمان سے اُتر رہے ہوں۔قاری تحریر کے حُسن میں کھوکر دُنیا ومافیہا سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جنگ، روزنامہ، ادبی ایڈیشن، راولپنڈی:۲۹ اگست، ۱۹۸۸ء

۲۔ ایضاً

۳۔ اُردو ڈائجسٹ، ماہنامہ، لاہور: اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص:۳۰

۴۔ جنگ، روزنامہ، ادبی ایڈیشن، راولپنڈی:۲۹ اگست، ۱۹۸۸ء

۵۔ صدیق سالک، ہمہ یاراں دوزخ، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۸ء، ص:۱۳

۶۔ ایضاً، ص:۹

۷۔ ضمیر جعفری، سید، طلسمی مندری والی کتاب، ہمہ یاراں دوزخ کی تعارفی تقریب، بمقام راولپنڈی، منعقدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء

۸۔ عطاالحق قاسمی، ہمہ یاراں دوزخ کی تعارفی تقریب، بمقام لاہور، منعقدہ ۲۹ اپریل ۱۹۷۶ء

۹۔ صدیق سالک، ہمہ یاراں دوزخ، ص:۱۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۷

۱۱۔ نصرت منیر، ماں کی خوشبو، ہمہ یاراں دوزخ کی تعارفی تقریب، بمقام راولپنڈی، منعقدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء

۱۲۔ صدیق سالک، ہمہ یاراں دوزخ، ص:۸۲

۱۳۔ ایضاً،ص:۶۴

۱۴۔ ایضاً،ص:۱۵۔۲۱۴

۱۵۔ جنگ،روزنامہ،لاہور:۱۷دسمبر۱۹۸۲ء

۱۶۔ ضمیر جعفری،سید،طلسمی مندری والی کتاب،ہمہ یاراں دوزخ کی تعارفی تقریب،بمقام راولپنڈی،منعقدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء

۱۷۔ صدیق سالک،ہمہ یاراں دوزخ،ص:۱۰۰

۱۸۔ ایضاً،ص:۱۹۔۱۸

۱۹۔ ایضاً،ص:۷۵

۲۰۔ ایضاً،ص:۲۸۴

۲۱۔ ایضاً،ص:۲۵۲

۲۲۔ ایضاً،ص:۱۳۷

۲۳۔ ایضاً،ص:۲۲۰

۲۴۔ ایضاً،ص:۳۱

۲۵۔ ایضاً،ص:۱۳

☆......☆......☆